R. No. 2186/57

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلی فون ۔ ۹۹
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

تاریخ اشاعت
۱-۰۰-۱۵-۶۴

۱۵ ستمبر ۱۹۶۴ء	ایڈیٹر آل احمد سرور	جلد ۲۳ - شمارہ ۳۵

(اداریہ)

اُردو دوستوں سے ایک گذارش

جے پور میں انجمن کی کل ہند کانفرنس ۲-۳-۴ اکتوبر کو ہوگی اس موقع پر اردو تحریک کا جائزہ لیتے ہوئے آیندہ کے پروگرام پر بھی سوچ بچار ہوگا جس کی روشنی میں مرکزی انجمن عملی اقدامات کرسکے گی اس لیے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ چند بنیادی باتیں اردو دوستوں کے گوش گزار کردیں۔

(۱) اردو دوست اب تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ کچھ ریاستی حکومتیں اردو کی مخالف ہیں، یا مرکزی حکومت زبانی ہمدردی بہت دکھاتی ہے مگر عمل میں پیچھے ہے۔

یہ بات صحیح نہیں۔ مرکز میں اور ریاست میں جو حکومتیں ہیں، وہ چناؤ کے ذریعہ سے بنی ہیں۔ یہ چناؤ بہرحال ملک کی کثیر آبادی کے جذبات وخیالات کا آئینہ دار ہے۔ جمہوریت کے معنی اکثریت کی آمریت کے تو ہرگز نہیں۔ مگر اکثریت کی مرضی کے بغیر جمہوریت میں کوئی قدم اٹھایا نہیں جاسکتا۔ اس لیے اگر ریاستی حکومتیں اردو کے سلسلے میں کوئی موثر قدم نہیں اٹھاتیں تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ انھیں اکثریت کی مخالفت کا خطرہ ہے، یا یوں کہیے کہ وہ جانتی ہیں کہ چونکہ اکثریت میں یہ قدم مقبول نہیں ہوگا اس لیے اس معاملے میں خاموشی ہی بہتر ہے۔ یہ بات جمہوریت کے حقیقی تصور اور دستور کے اعلیٰ مقاصد سے ہم آہنگ نہ سہی حقیقت اور مصلحت کے مطابق ہے۔ اس لیے حکومت کے سامنے اپنے مطالبات تو اس لیے رکھنا چاہئیں کہ حکومت جمہوری اصولوں پر چلنے کا دعوا کرتی ہے اور آئین اور دستور کی رو سے اس کے کچھ فرائض ہیں، مگر یہ سمجھنا کہ حکومت کے سامنے احتجاج کرکے یا اسے توجہ دلا کر یا کوئی مظاہرہ کرکے ہم اپنے حقوق حاصل کرلیں گے نادانی ہوگی۔

ہمیں کسی نہ کسی طرح اکثریت کو اپنے ساتھ لینا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سب سے پہلے تو خود اپنے میں عقیدہ کی روشنی اور عمل کی گرمی پیدا کرنا ہے۔ اگر ہم میں عقیدے کی یہ روشنی اور عمل کی گرمی ہوگی، تو ظاہر ہے کہ ہمارے خلوص، ہمارے نظر کی صحت اور ہمارے عمل کی صلاحیت کا اکثریت پر اچھا اثر پڑے گا۔ پھر اگر ہم یہ منوانے میں کامیاب ہوگئے کہ جس چیز کے لیے ہم جدوجہد کررہے ہیں وہ صرف ہمارا ہی سرمایہ نہیں، ایک مشترک متاع عزیز ہے، تو ہماری جدوجہد میں اکثریت کی تائید بھی شامل ہوجائے گی۔ اس وقت آپ دیکھیں گے کہ حکومت کے لبوں پر جو مہر سکوت ہے وہ خودبخود ٹوٹ جائے گی اور اس کے اعضا خودبخود سرگرم عمل ہوجائیں گے۔

(۲) اس جمہوری دور میں گو حکومت، یا اکثریت، کچھ نہ کرے، مگر اقلیتوں کو یہ آزادی ہے کہ وہ اپنے ادارے چلائیں اور انھیں حکومت سے ان کے لیے قرار واقعی امداد بھی مل سکتی ہے۔

اس سلسلے میں اردو دوستوں نے کچھ کیا ضرور ہے، مگر ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ اردو دوستوں کی عملی صلاحیت اس وجہ سے کم ہے کہ وہ اول تو اپنے کاموں میں زیادہ تر صرف مسلمانوں سے مدد لیتے ہیں، یا صرف مسلمان ہی ان کی طرف

اس شمارے میں

کھینچتے ہیں۔ دوسرے ابھی تک اردو دوست اقتصادی حیثیت سے اتنے اونچے نہیں ہیں کہ بڑے پیمانے پر صرف اپنی آمدنی سے اردو کے لیے بڑے بڑے کام کر سکیں گو اردو دوستوں میں مخلص لوگوں کی کمی نہیں اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کی اقتصادی حالت بہت اچھی ہے، مگر ان دونوں میں کوئی مضبوط رشتہ نہیں قائم ہو سکا ہے۔ اکا دکا ڈرانی جیسے افراد سامنے آتے ہیں جو وطن سے دور، میر و غالب کے نام پر لاکھوں کا وقف قائم کر جاتے ہیں۔ ایسے افراد بھی بہت سے ہوں گے جو نہایت خلوص سے اردو کی خدمت کر رہے ہیں لیکن ان کی کوششیں مالیات کی کمی کی وجہ سے منتشر رہ جاتی ہیں۔ انجمن ترقی اردو ان سب کو ایک دائرے میں پرو سکتی ہے اور اسے اس کام پر خاص توجہ کرنی ہے۔

(۳) ہمارے ملک میں جب کوئی دشواری سامنے آتی ہے، یا کوئی افسوسناک صورت حال پیدا ہوتی ہے تو بجائے اس کو حل کرنے کے، ایک دوسرے پر الزام دینے کا جذبہ ابھر آتا ہے۔ یہ صورت یہ قومی کردار کی کمزوری کی دلیل ہے، بلکہ اس سے اصل مسئلے کا حل تو ہوتا نہیں کچھ اور مسئلے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مثلاً آج کل غذائی بحران بہت بڑھ گیا ہے۔ یہ حکومت کے نقیب نہیں۔ اس کی ذمے داری یقیناً ہے اور وہ اس سے کسی طرح بچ نہیں سکتی، مگر حکومت کو شکست دینے کے لیے غذائی بحران کے حربے کو استعمال کرنا غلط ہے، ہاں سب کو مل کر حکومت کو مجبور کرنا ہے کہ وہ اس بحران کو جلد سے جلد دور کرے۔ پھر قوموں کے مسائل میں جادو کی چھڑی یا علاءالدین کا چراغ تو کام آتا نہیں، حالات کو بہتر بنانے کی طرف قدم اٹھانا ہوتا ہے اور پھر حالات سدھرتے ہیں۔ اسی طرح اردو کے مسئلے میں آج اگر بے انصافی ہے تو کل سب مطالبے منظور نہیں ہو جائیں گے۔ ہمیں سنجیدگی سے سوچ بچار کر کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ساتھ لے کر ایسے قدم اٹھانے ہوں گے کہ اردو کے ساتھ انصاف ایک قومی مسئلہ بن جائے۔ یہ آج بھی قومی مسئلہ ہے مگر ہمارے نزدیک اہم چاہتے ہیں کہ یہ سب کی نظر میں قومی مسئلہ ہو جائے۔ ہماری کوشش سے ایسا جلد ہو سکتا ہے۔

(باقی آئندہ)

کل ہند اردو کانفرنس جے پور

کی مجلس استقبالیہ نے مدعو مہمانوں کے قیام و طعام کا انتظام مختلف ہوٹلوں اور دیگر مقامات پر کیا ہے، اس لیے اگر کانفرنس میں تشریف لانے والے اصحاب اپنی اپنی آمد کی تاریخ و وقت سے کم از کم ایسے وقت پر حسب ذیل پتہ پر اطلاع دے دیں کہ وہ ۲۴ گھنٹے پہلے کمیٹی کو وصول ہو جائے تو منتظمین کو بھی آسانی ہوگی اور مہمانوں کو بھی خاطر خواہ آسایش مل سکے گی۔ عین وقت پر انتظام تو ہو گا ہی مگر دقت پیش آئے گی۔ تمام مدعو حضرات اپنے ساتھ شناختی کارڈ ضرور لائیں۔

سکریٹری استقبالیہ کمیٹی
کل ہند اردو کانفرنس جے پور

پتہ برائے اطلاع:-
سکریٹری استقبالیہ کمیٹی۔ کل ہند اردو کانفرنس جے پور۔
تسلیم منزل جے پور (راجستھان)

کل ہند اردو کانفرنس جے پور

(۱) انجمن کی کل ہند اردو کانفرنس جے پور میں ۲، ۳، ۴ اکتوبر کو ہو رہی ہے۔

(۲) کانفرنس کا افتتاح ۲۔ اکتوبر کو ساڑھے تین بجے ہوگا۔ توقع ہے کہ بیرونی مدعو حضرات صبح سے آنا شروع ہو جائیں گے۔

(۳) تمام آنے والے حضرات کو شناختی کارڈ اور ضروری کاغذات بھیج دیے گئے ہیں۔

(۴) نمایندوں کے لیے نام اور ڈیلی گیٹ فیس بھیجنے کی آخری تاریخ ۲۰ ستمبر تک بڑھا دی گئی ہے اس کے بعد فارم اور شناختی کارڈ بھیجنے کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔

انتظامی امور کے مد نظر اب مزید توسیع کا مطلق امکان نہیں ہے۔

اردو مجلس کا اجلاس

اردو مجلس کا ماہانہ ادبی اجلاس ۳۰ اگست ۱۹۶۳ء کو شام کے ۶ بجے اردو ہال حمایت نگر حیدرآباد میں ہوا جس کی صدارت جناب فضل الرحمن صاحب ناظم تعلیمات نے کی۔ جناب سراج الدین نیر لکچرر انگلش حیدرآباد ایوننگ کالج نے رابرٹ فراسٹ اور اس کی شاعری کے زیر عنوان ایک تنقیدی مضمون پڑھتے ہوئے کہا کہ اس کی شاعری بنیادی طور پر تغزلی اور داخلی شاعری ہے۔ صدر محفل جناب فضل الرحمن نے اپنی صدارتی تقریر میں جناب سراج الدین صاحب کے مضمون کو سراہتے ہوئے کہا کہ اردو مجلس کے آئندہ اجلاس میں اردو زبان کے شاعروں اور ادیبوں کے علاوہ دیگر زبانوں کے شاعروں اور ادیبوں پر مقالے پڑھے جانے چاہئیں۔ ادبی اجلاس کے بعد یوسفی، رحمن جامی، خورشید نیر، ناز حیدر، دوار خلیل، فیض الحسن خیال، صلاح الدین نیر، یا خواجہ بشیر سعید، سراج الدین، یسین علی خان اور سلیمان اریب نے کلام سنایا۔ یہ محفل صلاح الدین نیر کے شکریہ پر اختتام کو پہنچی۔

صلاح الدین نیر

الطاف احمد خلوی

دلکش جے پور

جے پور، جہاں انجمن ترقی اردو کی کل ہند اردو کانفرنس ۲، ۳، ۴ر اکتوبر ۱۹۹۴ء کو منعقد ہو رہی ہے، صدیوں سے راجپوتانہ کا ثقافتی مرکز اور شروع ہی سے علوم و فنون اور صنعت و حرفت کا مخزن رہا ہے۔ موجودہ دور میں جے پور نہ صرف راجستھان کا دارالحکومت ہے بلکہ اس کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ گنجان اور بارونق شہر بھی ہے مگر اس حسین اور دلکش شہر کی عالمگیر شہرت ان اضافتوں کی رہین منت نہیں ہے، جیسا کسی ظریف نے کہا ہے:

"جے پور کی سب سے بڑی دل کشی شہر جے پور ہے۔"

سالہاسال سے بے شمار غیر ملکی اور ملکی سیاح ہر سال جے پور آتے ہیں، اور آگرہ اور دہلی کے بعد شمالی ہند کے سیاحی مرکزوں میں غالباً جے پور ہی کا درجہ ہے۔

بہت سے ممتاز سیاحوں نے جے پور کو مختلف لقب دیے ہیں کسی نے اسے "ایک خواب رنگ" کہا ہے تو کسی نے "شہر یک ہزار طاؤس"۔ اکثر نے اس کو "ہندوستان کا گلابی شہر" کہا ہے اور یورپ اور امریکہ میں جے پور "شہر گلابی" کے لقب سے زیادہ معروف ہے۔

جے پور کی اساس ۱۷۲۸ء میں ایسے دور میں ہوئی جب منصوبہ بندی رائج نہ تھی۔ مگر یہ امر واقعہ ہے کہ جے پور کو ایک باقاعدہ منصوبے کے ماتحت بسایا گیا۔ اس کے بانی مہاراجہ سوائی جے سنگھ ثانی ایک مشہور ہیئت داں، ماہر ریاضی اور عالم فاضل تھے۔ ان کو فلکیات سے بہت گہری دلچسپی تھی۔ کہتے ہیں کہ اول انھوں نے ایک رصدگاہ بنائی اور اس کے بعد اپنے ریاضی کے رجحانات کے باعث اس شہر کو ریاضیاتی صحت و باضابطگی سے بسایا۔ بعض کا خیال ہے کہ مہاراجہ موصوف نے قسطنطنیہ کو، جسے اب استنبول کہتے ہیں، اپنا نمونہ منتخب کیا تھا۔ بہرحال یہ واقعہ ہے۔ جیسا کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی مشہور تصنیف "ڈسکوری آف انڈیا" میں لکھا ہے:

"شہر جے پور ایسی خوبی اور دانشمندی سے ترتیب دیا گیا تھا کہ آج بھی وہ شہری منصوبہ بندی کا بہترین نمونہ سمجھا جاتا ہے۔"

جے پور بہ اعتبار اپنے محل وقوع کے بھی خوش نصیب ہے کہ وہ راجستھان کے ایک شاداب خطہ میں واقع ہے۔ سوائے جنوب کے شہر کے چاروں طرف خوشنما پہاڑیاں ہیں جن پر جگہ جگہ قلعے بنے ہوئے ہیں ان میں سے ایک جس کو قلعہ نہار گڑھ کہتے ہیں۔ اور جو ۱۷۳۴ء میں بنا۔ شمال مغربی پہاڑی کی چوٹی پر اس طرح واقع ہے کہ گویا کسی نے شہر پر ایک نگہبان مقرر کر دیا ہے۔ یہ قلعے شہر کے قدرتی منظر میں خوب صورت اضافہ کرتے ہیں۔

شہر مستطیل نما بلاکوں میں، جنھیں جے پور کی اصطلاح میں "چوکڑیاں" کہتے ہیں، آباد ہے۔ اور چوکڑیاں محلوں میں تقسیم ہیں خاص خاص سڑکیں ایک سو دس فٹ چوڑی ہیں اور ہر سڑک ایک دوسرے سے اس انداز میں ملتی ہے کہ زاویہ قائمہ بن جاتے شہر کے چاروں طرف ایک کنگوروں دار پختہ فصیل ہے جو بیس فٹ اونچی اور نو فٹ چوڑی ہے۔ شہر پناہ میں سات دروازے ہیں ان میں سے ایک کا نام "سورج پول" اور دوسرے کا "چاند پول" ہے سورج پول اس مناسبت سے کہ والیان جے پور سورج بنسی تھے ہر دروازہ نہایت بلند اور خوشنما ہے مگر سب ہم شکل چند سال قبل ایک نئے دروازے کا اضافہ ہوا جسے "مان پول" کہتے ہیں یہ اس وجہ سے کہ موجودہ مہاراجہ کا نام سوائے مان سنگھ ہے۔ مان پول سوائے مان سنگھ ہائی وے پر رام نواس باغ کے سامنے واقع ہے علاوہ شہر کی چوڑی چوڑی، خوشنما اور باقاعدہ بنی ہوئی سڑکوں کے جو چیز کسی سیاح کو سب سے زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے وہ ہے تمام دوکانات اور مکانات کی موزونیت اور ہم شکلی سڑک کے دو رویہ عمارتیں گویا ایک دوسرے کا جواب ہیں، اور اس پر یک رنگی سونے پر سہاگے کا کام دیتی ہے۔ تمام عمارتوں کا رنگ گلابی ہے شروع میں سب عمارتوں کا رنگ سفید تھا۔ مہاراجہ سوائے رام سنگھ ثانی نے مختلف رنگوں کا تجربہ کیا اور بالآخر گلابی رنگ سارے شہر کے لئے پسند کیا۔ اس عدیم المثال ہم شکلی اور ہم رنگی نے بعض اشخاص کو جوش مسرت سے بے خود کر دیا ہے۔ انیسویں صدی کا مشہور فرانسیسی سیاح لوئس روسلے (Louis Rousselet) اپنی کتاب "انڈیا" میں لکھتا ہے:

"کیسا حیرت انگیز شاہی تلون ہوگا جس نے گلابی رنگ ایک پورے کا پورا شہر بنا ڈالا جہاں تمام مکانات، شہر پناہ، محلات، برج، بالاخانے اور مندر ایک رنگ کے ہیں جن پر ہم شکل سفید پھولوں کی نقاشی ہوری ہے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا در و دیوار پر ایک حقیقی پھولدار چھینٹ آویزاں ہے یا پھر شہر کو گویا ایک سنگ سلیمان سے کاٹ کر بنایا ہے۔"

نہ صرف شہر کی عمارتیں، دروازے اور فصیل رنگین ہیں بلکہ بازاروں اور سڑکوں پر مرد اور عورت آپ کو طرح طرح کا رنگین لباس پہنے ہوئے ملیں گے اور اگر آپ تیج یا گنگور کے تہوار کے موقع پر جے پور آئیں تو یقیناً آپ ایک دوسرے غیر ملکی سیاح کے اس قول سے اتفاق کریں گے کہ:-

"جے پور ہندوستان کا سب سے زیادہ رنگین شہر ہے جہاں چمک دمک کی کمی نہیں:

مردوں کے صافے اور پگڑیاں، انگرکھے اور اچکنیں رنگ برنگ اور مختلف وضع کی عورتوں کے دوپٹے اور لہنگے بھی پر رنگ

کے نظر آئیں گے کسی کے دوپٹہ میں چھوٹے چھوٹے آئینے لگے ہوئے دکھیں گے جن کو دیکھ کر نظر خیرہ ہو کر رہ جائے گی۔

جے پور کی ہر عمارت اپنی دلکشی کے علاوہ ایک تاریخ رکھتی ہے۔ اگر آپ بذریعہ ریل جے پور آئیں تو اسٹیشن سے چل کر "چاند پول دروازہ" سے شہر میں داخل ہوں گے۔ چاند پول بازار غلّہ کی منڈی ہے۔ آگے بڑھ کر آپ کو ایک چوک ملے گا جسے "چوپڑ آمیر" کہتے ہیں اس کے بعد بائیں ہاتھ کو ایک مینارہ نظر آئے گا جو "ایسر لاٹھ" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مینارہ مہاراجہ سوائے ایشوری سنگھ نے ۱۷۴۹ء میں تعمیر کیا بعض کا خیال ہے کہ یہ مینارہ انھوں نے بطور یادگار فتح تعمیر کیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس مینارہ پر چڑھ کر مہاراجہ مذکور اپنے شہر کو دیکھتے تھے اور اس کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ اس سے آگے بڑھ کر بائیں جانب ہی ایک بلند دروازہ ہے یہ آتش کا دروازہ ہے "آتش" ترکی کا لفظ ہے جس کے معنی گھوڑے کے ہیں یہ شاہی اصطبل کا دروازہ ہے اس سے تھوڑا ہی آگے محلات شاہی کا جنوبی دروازہ ہے جسے "ترپولیہ" کہتے ہیں اور جو اپنی خوشنمائی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ ترپولیہ دروازہ سے کچھ آگے ترپولیہ بازار میں داہنے ہاتھ کو کتب خانہ عامہ کی عمارت ہے۔ یہ کتب خانہ ۱۸۶۶ء میں مہاراجہ سوائے رام سنگھ ثانی نے قائم کیا تھا۔ اسی سن کا قائم کردہ مدرسہ صنعت و حرفت کشن پول بازار میں ہے۔ مہاراجہ جے پور کا ذاتی کتب خانہ جسے "پوتھی خانہ" کہتے ہیں محلات شاہی کے اندر ہے۔ پوتھی خانہ میں نایاب قلمی کتب اور رنگین تصاویر ہیں مثال کے طور پر ایک دو کا ذکر کردوں۔ شہنشاہ اکبر کے نورتن کے ایک فرد ابوالفضل کا لکھا ہوا "مہابھارت" کا فارسی ترجمہ۔ بہت ہی باریک لکھی ہوئی خوردبین سے دیکھنے کے لائق "گیتا"۔ اور ہندو مصوری کے شاہکار "راس منڈلا" اور "گوردھن دھرن" بھی ہیں۔ ترپولیہ بازار کو طے کرنے پر ایک اور چوک آتا ہے جو "چوپڑ مانک چوک" کے نام سے مشہور ہے اگر مجھ سے کوئی سوال کرے کہ جے پور کا امتیازی نشان کیا ہے؟ تو میں بلا تامل کہوں گا "ہوا محل"۔ ہوا محل چوپڑ مانک چوک کے ایک طرف تقریباً شہر کے وسط میں واقع ہے۔ یہ گلابی پتھر کی عجیب و غریب نو منزلہ عمارت ہے جس کی تعمیر ۱۷۹۴ء میں شروع ہوئی اور ۱۷۹۹ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ ہوا محل کو دیکھ کر اکثر سیاح متحیر ہو جاتے ہیں ایک انگریز نے اس کی نسبت لکھا ہے:-

"ایک تخیلی پیکر دلآویزی و جمال۔ نو منزلہ گلابی پتھر کی عمارت جس میں آگے نکلے ہوئے نازک نازک طاقچے اور جالی دار دریچے پرواز کرتے ہوئے قطار در قطار ایک انوکھی خیالی عمارت مخروطی شکل کی ہوادار بے باک حسن کا پہاڑ۔۔۔"

ہوا محل سے ذرا آگے اسی طرف سوائے مان سنگھ ٹاؤن ہال کی بلند اور پرشکوہ عمارت ہے جو ۱۸۸۳ء میں تعمیر ہوئی اور جس میں اب راجستھان کی قانون ساز اسمبلی کا اجلاس ہوتا ہے۔ اس سے آگے محلات شاہی کا صدر مشرقی دروازہ ہے جسے "سرڈیوڑھی" کہتے ہیں۔ اس دروازے کے اندر ایک بہت وسیع چوک المعروف بہ "جلیب چوک" ہے جس کے چاروں طرف سرکاری دفاتر ہیں واضح رہے کہ راجستھان سکریٹریٹ کی عالیشان عمارت جو پہلے یہاں تھی اب "بھگونت داس بیرکس" میں شہر کے باہر ہے۔

محلات کے اندر داخل ہونے کے لئے کئی اور دروازے اور صحن طے کرنے پڑتے ہیں۔ اندر اوّل "دیوان عام" ہے جہاں مہاراجگان جے پور عام دربار منعقد کرتے تھے۔ اسی میں وائسرائے ہند مہاراجہ جے پور سے ملاقات بازدید کو آتے تھے اور ان کے اعزاز میں دربار منعقد ہوتا تھا جس میں تمام سردار، امراء اور افسران ریاست درباری لباس میں ملبوس شریک ہوتے تھے۔

دیوان عام سے آگے "سربتا" یا "دیوان خاص" ہے۔ اس کے شمال میں "چندر محل" کی عظیم الشان سات منزلہ عمارت ہے جس کی چھت پر شرد پورنما کے موقع پر چاندنی چودھویں شب ٹھیک اس وقت جب چاند نکل رہا ہو، شرد پورنما کا دربار ہوتا تھا۔ یہ دربار ایک انوکھی قسم کا ہوتا تھا چاندنی کی روشنی میں سفید فرش پر اس اہتمام کے ساتھ کہ تمام درباریوں کا سفید لباس ہوتا تھا اور زیورات بھی سفید اور خود مہاراجہ چاندی کے تخت پر بیٹھتے تھے۔ چندر محل کی تعمیر ۱۷۳۴ء میں ہوئی۔ چندر محل کے جنوب میں "مبارک محل" کی عمارت ہے جس کی پتھر کی جالیاں بیحد خوشنما ہیں۔

محلات شاہی کا "جے نواس باغ" جس کو ۱۷۴۳ء میں ابتداءً لگایا گیا تھا قابل دید ہے۔ چندر محل کے شمال میں "گوبند دیو" کا مشہور مندر ہے جو ۱۷۳۵ء میں تعمیر ہوا۔ آگے چل کر "بادل محل" کی عمارت ہے جہاں تیج اور گنگور کے موقعوں پر دربار ہوتے تھے جس میں ایک روز سب درباریوں کا لباس سر سے پاؤں تک سبز ہوتا تھا اور دوسرے روز شربتی۔ بادل محل جے پور کا سب سے پرانا محل ہے۔

بادل محل کے آگے "تال کٹورہ" ہے جس میں مگرمچھ تھے جو آواز دینے پر کنارے پر آجاتے تھے۔

محلات میں علاوہ رنگین تصاویر اور قلمی کتب کے مہاراجہ صاحب کا اسلحہ خانہ ہے جس میں نادر اسلحہ ہیں اور ایک دیگر عمارت میں بیش قیمت اور لاثانی پرانے ایرانی قالین۔

"مبارک محل" کے باہر بانی جے پور کی تعمیر کردہ رصد گاہ ہے جسے جنتر منتر کہتے ہیں۔ یہ اٹھارویں صدی عیسوی میں ۱۷۲۴ء اور ۱۷۳۴ء کے درمیان تعمیر ہوئی تھی۔ مہاراجہ سوائے جے سنگھ کی تعمیر کردہ پانچ رصد گاہوں میں سب سے بڑی ہے، باقی چار دہلی، بنارس، متھرا اور اجین میں بنائی گئی ہیں۔ اسی رصد گاہ میں بیٹھ کر مہاراجہ مذکور اپنے فلکیاتی ذوق کی تکمیل کرتے تھے۔ ان کے بنائے ہوئے پتھر کے آلات اب بھی موجود اور کار آمد ہیں۔

غیر ملکی سیاحوں کے لئے محلات آمیر جو شہر سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں خاص دلکشی رکھتے ہیں۔ شہر سے زور آور سنگھ کے دروازے سے باہر نکلنے پر کچھ دور چل کر راستے میں داہنی جانب (بقیہ صفحہ ۸ پر)

انسلام مچھلی شہری

ہندوستاں پائندہ باد

ہر بشر کو صبح کی تابندگی محبوب ہے
مسکراتے گلستاں کی دلکشی محبوب ہے
زندگی کی اک بہار دوامی محبوب ہے
اک مسلسل، غیر فانی روشنی محبوب ہے

شکر ہے، مجھ کو بھی اپنے گلستاں سے پیار ہے
نور و نکہت کی زمیں ہندوستاں سے پیار ہے

صبح جلوہ بار کا حاصل وطن کی روشنی
جاوداں افکار کا حاصل وطن کی روشنی
گنبد و مینار کا حاصل وطن کی روشنی
مذہبی اقدار کا حاصل وطن کی روشنی

دل میں گر شمع وطن کی روشنی مستور ہے
ہم کو یہ محسوس ہوگا، زندگی خود نور ہے

مسکراتا سا زمیں کی گود میں تارا وطن
ہے مقدس، غیر فانی اور دل آرا وطن
اولیاؤں، صوفیوں، رشیوں کا بھی پیارا وطن
خالق کونین کا ہے ایک شہ پارہ وطن

غیر اس کا جلوہ چھوڑ سکتے نہیں
بادلوں کے چند ٹکڑے توڑ سکتے نہیں

ہم رواں ہیں، اور رہیں گے جلوؤں کی طرف
تجلی بداماں، گل فشاں، گل پوش ساحل کی طرف
اپنے آدرشوں کی اک پُر نور منزل کی طرف
غیر فانی روشنی کی ایک محفل کی طرف

نور و نکہت کے سفر میں گر اندھیرا آئے گا
شدت طوفان جلوہ سے وہ خود چھٹ جائے گا

میں نے اس سے روشنی لی ہے لطیف حسن کار
میری نظمیں دیس کی خدمت میں ہیں بچھو کر بار
ہے یہی تجھ سے مرے دل کی دعا پروردگارا
آخری دم بھی مرا ہو اس کے قدموں پر نثار

غیر فانی نکہتوں کے گلستاں پائندہ باد
اے مرے پیارے وطن ہندوستاں پائندہ باد

عابد حسین ادیب

تنہائی

رات تنہائیوں کے صحرا میں
آرزوں کے پھول کھلا گئے
صبح تک دل نے یہ صدا دی ہے
وہ نہیں آئے، وہ نہیں آئے

نئی زبانیں سیکھنے کا نیا طریقہ

امریکا میں حال میں زبانوں کی تعلیم دینے کے لئے دنیا کی ایک جدید ترین جماعت کا افتتاح ہوا ہے۔ یہ ییل یونیورسٹی (نیوہیون کنکٹی کٹ) کے غیر ملکی زبانوں کے متعلق نئے مرکز میں واقع ہے اور اس جماعت میں ۴۰ طلباء کے لئے انفرادی نوعیت کی نشستیں ہیں، جو اسی طرح ایک نمبر گھما کر بیسیوں زبانوں میں سے اپنی پسند کی زبان کے متعلق سبق سن سکتے ہیں، جس طرح کوئی شخص ٹیلی فون کا نمبر گھماتا ہے۔

ہر یونٹ ایک مائکرو فون، ائرفون کے ایک سیٹ (سننے کے آلے)، آواز کی رفتار کو کنٹرول کرنے والے آلات اور ایک ڈائیل سے لیس ہے۔ طالب علم متعلقہ زبان کے کوڈ کا نمبر گھماتا ہے، جس سے ایک دوسرے کمرے میں ٹیپ ریکارڈر بجنا شروع ہوتا ہے۔ ریکارڈ طالب علم کو ائرفون کے ذریعہ مطلوبہ سبق سناتا ہے۔

سبق کے دوران میں موزوں وقفوں پر طالب علم مائکروفون کے سامنے بولتا ہے۔ اور سماعتی آلوں کی مدد سے اپنی آواز اسی طرح سنتا ہے جس طرح کوئی دوسرا شخص سنتا ہے۔ اس سے طالب علم اپنے تلفظ کا ٹیپ ریکارڈ کئے ہوئے سبق کے تلفظ سے مقابلہ کر سکتا ہے۔

(ہمدرد دہلی)

دہلی رائٹرز ایسوسی ایشن کا اجلاس

اتوار شب ہوئی شام پانچ بجے "دہلی ٹیرین" کے ملحقہ کمرے میں دہلی رائٹرز ایسوسی ایشن کا ایک مخصوص الوداعی اجلاس کرشن موہن کی صدارت میں کیلاش ماہر، جو تین ماہ کے لئے سرکاری کام کے سلسلے میں حیدرآباد کو روانہ ہو رہے ہیں، کے اعزاز میں منعقد ہوا۔ شہاب جعفری نے جدید اردو ادب پر ایک مضمون پڑھا۔ بعد ازاں کیلاش ماہر کی شاعری پر محمود ہاشمی نے گفتگو کا آغاز کیا جس میں تقریباً سب شرکائے محفل نے حصہ لیا۔ کرشن موہن نے کیلاش ماہر پر ایک قطعہ پڑھا۔ اس کے بعد کیلاش ماہر سے ان کا کلام سنا گیا۔ آخر میں مجلس عاملہ کے اس فیصلے کا اعلان کیا گیا کہ ماہر کی غیر حاضری کے دوران چندر پرکاش شاد سکریٹری کے فرائض انجام دیں گے۔ اس اجلاس میں کرشن موہن، بانی ایم۔ اے، کیلاش ماہر، جگن ناتھ آزاد، محمود ہاشمی، شہاب جعفری، اجمل اجملی، نریندر لُتھر مدیر "مورچہ"، مہاجندر انجم، نائب مدیر "سریتا" اردو، چندر موہن لانبہ، جی۔ ڈی۔ چندن، پریذیڈنٹ اردو مجلس اور چندر پرکاش شاد وغیرہ نے شرکت کی۔

(چندر پرکاش شاد سکریٹری)

مضامین مراسلات وغیرہ "ہماری زبان" کو ارسال کرتے وقت یہ ملحوظ رکھیں کہ کاغذ کے ایک طرف لکھیں۔

سلطان احمد

جہانِ اردو

زبان کو باغ و بہار کہو یا سدا بہار، وہ شاموں کی قوسِ قزح نہ موسموں کی پابند۔ جیسے رنگ و بو اپنی مثال اور اپنی دلیل۔ اردو آئینۂ روزگار بھی اور ذریعۂ اظہارِ خیال۔ وہ بات جو دل سے نکلے اور دلوں کو مسخر کرے آمدِ سخن میں ہے آورد میں نہیں۔ اس حقیقت سے انکار زبان کے لیے جتنا خطرناک ہے اس سے زیادہ اپنے لیے مہلک۔ کسی چیز کا ترک ہو یا اختیار، دونوں کی غرض و غایت بس اتنی ہے کہ وہ مفید ہو مضر نہ ہو۔ محض جذبات کی رو میں بہنا جائز نہیں۔ اردو جن دشواریوں سے گزر رہی ہے، ان کے پیشِ نظر یہ اندیشہ بھی ہو سکتا ہے کہ دیکھئے اپنے وطن میں وہ سرفراز ہو یا سرنگوں۔ لیکن اس کی سخت جانی دلیل ہی نہیں، زندگی کی دلیل اور ترقی کی ضمانت بھی ہے۔ جہاں تک زبان کے آگے بڑھنے کا تعلق ہے، مسابقت کے میدان میں وہ کسی سے پیچھے نہیں۔ صلاحیت کے بل بوتے اپنے پیروں پر کھڑی ہے۔ انکار و اقرار کے توازن میں مطبوعات گنو اور اشاعتوں کو شمار کرو، افادی لحاظ سے اس کا پلہ گراں نکلے۔ دوسری طرف خریدا بھاری اور جو ہاتھ آئے بلکہ، انصاف کا تقاضا ہے کہ ہم اردو کی ترقیوں کے قائل ہوں۔ اس قول کی سچائی کوئی عطا اللہ درانی سے پوچھتا جس نے زندگی کی سنسنی اور جان توڑ سرگرمیوں میں لمحۂ موت کی شادمانی کا یہ مژدہ جاں بخش سنایا کہ ڈوبتے دلوں کو بھی سہارا ملا اور زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ امیدوں کی اس دنیا میں ایک شخص کا یقین و عمل کیا کچھ کر سکتا ہے۔ اس کی بہتری مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں۔ قوموں کی ترقی ملکوں کی تعمیر و تشکیل اور ان کے کارناموں کی ساری داستان شخصیت کے گرد چکر کاٹتی ہے۔ کہتے ہیں چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ اس تجربہ سے کتنے چراغ روشن ہوئے، جس کی مدت العمر کمائیوں کے تقریباً دو لاکھ روپیوں کا شاہانہ عطیہ اس کو روشن رکھنے کے لیے وقف ہو چکا ہے کہ آج امریکہ میں اردو کا بول بالا ہے اور میر و غالب کے کلام سے دنیا کو مسخر کرنے کی مہم جاری۔ جس زبان کی یہ لگن ہو اور جس کا دامن اتنا دراز و کشادہ ہو کہ وہ اپنی خوشبو کو دور ہی سے بڑی وسعتوں میں پھیلا سکے اور دوسری حکومتوں کو اپنے گمشدہ ماؤں کی طرح ڈھونڈے۔ یہ جہانِ اردو ہے، جس کی سرحدیں لامحدود اور جس کا مستقبل شاندار!

اردو فتوحات کی تازہ پیش قدمیوں میں، تشہیر کا سلسلہ ہے۔ روزنامہ اردو ٹائمس کا اجرا بھی ہے۔ مسٹر بیگ سلین مشہور برطانوی مکتبۂ اشاعت کے مالک اس کی طباعت و اشاعت کے ضامن ہیں۔ اس وقت ایک لاکھ دو ہزار ہندوستانی و پاکستانی برطانیہ کے باشندے ہیں، جو اردو خواں ہیں اور اس زبان کے حامی و ہمدرد۔ خصوصاً وطن سے باہر ملکی و قومی جذبات جس طرح موجزن ہوتے ہیں، وہ ان سے پوری طرح سرشار ہیں۔ زبان کی وحدت نے ان کے اندر بھائی چارگی پیدا کر دی ہے۔ چھوٹے بڑے اپنے اپنے دھندوں میں لگے ہیں۔ مشاغل جاری ضرورتیں مہیا اور شادکامی کی جھلکیں خیرسگالی کا پیش خیمہ۔ جب باہر والے کسی ملک میں مقیم ہو جائیں تو رفتہ رفتہ اس ملک کی عادتیں اور رسم و رواج بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ خود متاثر ہوتے اور دوسروں کو متاثر کرتے ہیں۔ شاد کام اور تازہ دم رہنے کے لئے تفریح ایک ضروری مشغلہ ہے۔ کلب اور کتب خانے اس ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ اخبار ایک دوسرے کو جاننے اور تعلقات بڑھانے کا آسان ذریعہ ہے۔ اب کسی غیر ملک میں انگریزوں کے تعاون کی اپنی زبان کا کوئی اخبار نکل آئے۔ تو وہ باہمی زندگی کی اچھی نسیمِ سحر کا سلام ہے۔ خبر کی قوت خود اعتمادی پیدا کرتی ہے، ہمدرد و ہمنوا بناتی ہے۔ تعاون کی راہ کھولتی ہے، اپنے لئے مفید اور دوسروں کے لئے معین و مددگار ہوتی ہے۔ اخبار علم کا نشان اور اقدام کا پرچم ہے۔ یہ لہرائے تو میدان مارے، فتوحات کے دروازے کھولے، زمانے کو پکڑے اور وقت سے خراج حاصل کرے۔ ایک موقع پر نپولین نے کہا تھا کہ وہ کسی بڑے سے بڑے لشکر سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا ایک چھوٹی سے چھوٹی خبر سے۔ لشکر کا خوف صرف مقابلے کے سپاہیوں کو ہوتا ہے اور خبر کا اثر کسی ایک میدان میں نہیں بلکہ دور دراز ملکوں اور ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دل و دماغ تک پہنچتا ہے۔

اردو ٹائمس کی کامیابی کے آثار ظاہر ہیں۔ فی الحال برطانیہ کے ۲۴ شہروں میں اس کے مرکز قائم ہو چکے ہیں جہاں ہر روز علی الصباح کافی تعداد میں اخبار پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے پڑھنے والے بڑے ذوق شوق سے اس کو خریدتے ہیں۔ اس میں ہر قسم کی نو بہ نو خبریں ہوتی ہیں۔ خصوصاً وطن کی سرگرمیوں کا ذکر ہوتا ہے لیکن کسی طرفداری کو دخل نہیں اور نہ موشگافیوں سے بحث۔ بلکہ میانہ روی اور معاملہ فہمی سے کام لیا جاتا ہے۔ مقصد یکجہتی کو قائم رکھنا ہے۔ کسی برتری و فوقیت کو فروغ دینا نہیں۔ مزاج میں اعتدال ہو تو سخت اور کڑوی باتیں بھی گوارا ہوتی ہیں۔ پہلے اس مزاج کو پیدا کرنا ضروری ہے اور یہ اندازِ بیان اور طریقۂ کار پر منحصر ہے۔ اردو ٹائمس ہماری زبان کی دوستانہ پیش ہے، جو غیروں کے ملک میں ہاتھوں ہاتھ ہے۔ اور اپنے ملک میں یہ زبان دستوری ہوتے ہوئے بھی ریاستوں اور علاقوں میں سرکاری طرح جاری نہیں۔ جب رواداری کی خاطر اور تعلقات بڑھانے کی غرض سے اس سیر چشمی و کشادہ دلی سے کام لیا جاتا ہے، تو ظاہر ہے کہ دستور کی عظمتوں کو برقرار رکھنے میں اس کی عملداری کو اونچا پایہ دینا کی کتنی سخت ضرورت ہے۔ ہندوستان کو فخر کرنا چاہیئے کہ اس کی ملکی زبان کا روزنامہ اخبار دوسرے براعظم کی ایک عظیم الشان مملکت

میں اس آب و تاب کے ساتھ جاری ہو۔ اس کارنمایاں کے انجام دینے میں اردو کے حامی و ہمدرد جس مبارکباد کے مستحق ہیں، اسی قدر اہل برطانیہ قابل ستائش ہیں کہ ان کی وسعت نظر اور وسعت قلب سے بقائے باہمی کی یہ صورت جلوہ گر ہوئی۔ ورنہ بعض ملکوں کی یہ سختی اور پستی کس درجہ حیرت انگیز اور افسوسناک ہے کہ ان کی زمینوں سے غیر ملکی باشندوں کے قدم اکھڑ رہے ہیں۔ جہاں وہ نسلاً آباد و شاد و کامران رہے۔ اب وہاں اپنی جائیدادیں چھوڑ کر نکل آنے پر مجبور ہیں۔ اور شدید ہیں اس بلا کی ہیں گویا جلاوطنی کی سزاؤں کا حکم رکھتی ہیں۔ آنے والے قافلوں کی دردناک مصیبتیں سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کہتے ہیں ملک بدر کرتے وقت سہاگن عورتوں کے وہ زیورات بھی جو بیاہ شادی کی یادگار اور ان کے سہاگ و سیندور کی نشانیاں ہیں ان کے جسموں سے جبراً اتار لئے جاتے ہیں۔ اور یہ نئے سر اٹھانے والے ملک یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ان کا یہ فعل خود ان کی ذلتوں کی دلیل ہے، جس سے وہ نہ کوئی وقار حاصل کریں گے نہ ترقی و سربلندی۔ وہ آزاد و خود مختار ہوں اور اپنی من مانی کارروائیاں بھی پوری کریں مگر انھیں انسانیت کا شرف حاصل ہو، یہ ممکن نہیں۔ ہاں اپنے منہ میاں مٹھو ہونا یہ اور بات ہے۔ آزادی کی طاقت ایک سیف براں کی صفت رکھتی ہے۔ وہ جہاں دشمن کے گلے کاٹتی ہے، وہاں مجرمانہ کام نہ ہو اور مست ماری جائے، تو جس کے ہاتھ میں ہے اس کا گلا بھی کاٹ سکتی ہے۔ یہ دو دھاری تلوار ہے، دونوں رخ چلتی ہے اس کی موجودگی حفاظت بھی ہے اور خطرہ بھی۔ استعمال مفید ہے اور مضر بھی۔ احتیاط سے رکھو تو طاقت کی معاون اور استعمال کرو تو فتنہ کا خدشہ اور ہلاکت کا خطرہ۔ تلوار کی تیزی اپنے اور غیر دونوں کے لئے مساوی ہے، اور قبضہ کلائی میں ہے۔ جدھر گھماؤ میدان صاف مگر قابو میں نہ ہو تو اپنے پاؤں کی زمین بھی تلووں سے نکل جائے!

غرض افکار و احوال کے یہ تاثرات اور علوم و معارف کے دفاتر و مجلدات، ان کے کثیر نسخے و مسودات اور بیشمار مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابیں اپنی اپنی داستانوں میں پھیلی ہیں۔ ان کے واقف کاروں کا خیال ہے کہ اسلامیات کے متعلق جتنی کتابیں اردو میں ہیں، اتنی کسی دوسری زبان میں نہیں کیونکہ ظہور اسلام سے اس وقت تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ تقریباً سب کا سب اردو میں منتقل ہو چکا ہے۔ تراجم کی اس کثرت کے علاوہ اس زبان کا خود اپنا ذخیرہ کیا کم ہے۔ اور پھر سیکڑوں دوسرے علوم و فنون ہیں، جن کے ترجموں اور طبعی مقامین سے اس کا دامن بھرا ہے۔ شاعری اور افسانے کا پوچھنا ہی فضول ہے۔ یہاں قدیم و جدید خیالات کی وہ بھرمار ہے کہ سماعت و بصارت پناہ مانگے شاید دنیا میں کسی زبان کو اتنے شاعر و قصہ گو نہیں ملیں گے، جتنے اس زبان میں گزر چکے ہیں۔ اور محفل کی رونق باقی ہے۔ یہ دہلی، لکھنؤ اور عظیم آباد پر منحصر نہیں۔ پورب میں کلکتہ ہو یا پچھم میں بمبئی، دکن میں حیدرآباد و بنگلور ہو یا اترکے شہروں سے دور پہاڑی علاقے دارجلنگ، ڈیرہ دون، منصوری و شملہ کے ساتھ ساتھ پنجاب کا نو تعمیر دارالحکومت چنڈی گڑھ بھی اردو کی صداؤں سے کون خالی ہے؟ ان میں سے کہیں بھی کوئی معمولی سے معمولی مشاعرہ ہو، پھر دیکھو کہ باہر کے آنے والوں سے کتنے زیادہ مقامی شعراء موجود ہیں کیا اہل سخن کی یہ کثرت بطور خود زبان کی کامیابی نہیں، اور ان مواقع پر ہزاروں ہزار سننے والوں کا ہجوم و اضطراب جو سیلاب کی طرح امنڈتا ہے کیا وہ بھی اس زبان کی ہمنوائی و ہردلعزیزی کا ثبوت نہیں؟

دنیا کی کسی زبان کو عوامی مقبولیت کی یہ غیر معمولی حیثیت کہاں نصیب، جو اردو غزل کو اس فراوانی اور جوش و خروش کے ساتھ حاصل ہے کہ اس وسیع اور عظیم ملک کا چپہ چپہ شعراء کی کثرت سے بھرا ہے شاید علم و فن کے کسی دوسرے شعبہ کو اتنی وسعت و فراغت نہیں، جتنی اردو شاعری کے دم قدم سے ہمیں رونق اور آبادی ملی ہے۔ ماہرین کا ذکر نہیں کہ وہ خواص ہیں اور یہاں عوام سے بحث ہے۔ لیکن یہ کثیر اور عوامی پیداوار اور جانچ اور معیاری خصوصیتوں کی حامل نہ ہو، لیکن وہ کوئی محفوظ سرمایہ نہیں جو برائے تجارت ہو، بلکہ ایک دولت رواں ہے جاری و ساری۔ یہ تعداد اور استعداد دونوں کی نشاندہی کرتی ہے، محاسن کلام کا امتیاز رکھتی ہے اور خوش وقت اور شاد کام ہوتی ہے۔ مگر تحسین علم اور کمال فن کے اعتبار سے بھی اردو کے دامن میں قیمتی سے قیمتی جواہر موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بین الاقوامی ادب کی سطح پر ابھی اردو کا مطالعہ نہیں کیا گیا۔ ورنہ معلوم ہوتا کہ زبان کی دنیا میں اس کا مقام کتنا بلند ہے۔ توقع ہے کہ میر و غالب کے بعد حالی و اقبال اور دوسرے اردو شعراء کے کلام بھی دنیا کی بڑی زبانوں میں منتقل ہوں اور اردو کو پڑھنے اور پھیلنے کا موقع ملے۔ برطانیہ امریکہ میں پہلے ہی سے اردو کے اقدام جاری ہیں۔ اب روس کی اطلاعوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی اردو سے گہری دلچسپیوں کا اظہار کیا جا رہا ہے!

تصحیح

۸ر اگست کے ہماری زبان میں جوش کے اعزاز میں ادبی نشست کے انعقاد کی ایک خبر - "انجمن ترقی اردو کی مخصوص ادبی نشست" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی غلطی سے یہ خبر ادھوری شائع ہوگئی جس سے یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ نشست کہاں ہوئی، اب ناظرین کی اطلاع کے لئے لکھا جاتا ہے کہ یہ نشست دہلی میں ہوئی تھی۔

ضروری اطلاع

ہماری زبان سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں

بقیہ: دل کش جے پور

"جل محل" ہے جسے ۱۷۴۲ء میں بانی جے پور نے بنایا۔ یہ محل "مان ساگر" تالاب میں واقع ہے۔ اور ایک زمانہ میں اس کے چاروں طرف پانی بھرا رہتا تھا۔ تھوڑا آگے چل کر چڑھائی آتی ہے اور بہت کاریگری سے پہاڑ کاٹ کر سڑک نکالی گئی ہے۔ راستے میں کئی باغات ہیں۔ محلات آمیر کے نیچے ایک تالاب ہے جس کا نام "ماؤٹہ" (Maota) ہے۔ ان محلات کے پائیں باغ کا نام "دلآرام باغ" ہے۔ یہ مختصر سا مگر بہت خوش نما باغ ہے۔ آمیر تقریباً چھ سو برس کچھواہوں کی راجدھانی رہا۔ آمیر کا محل مہاراجہ مان سنگھ نے ۱۶۰۰ء میں تعمیر کرانا شروع کیا اور ان کے عہد میں ۱۶۱۵ء تک تعمیر جاری رہی۔ مرزا راجہ جے سنگھ نے کچھ اضافہ کیا اور مہاراجہ سوائی جے سنگھ ثانی بانی جے پور نے اٹھارویں صدی میں مکمل کیا۔ اس کے دیوان خاص کا دروازہ اپنی صناعی میں مشہور ہے اور دیوان خاص، دیوان عام جس کے چالیس ستون ہیں اور شیش محل خاص طور سے قابل دید ہیں۔ محل کی حفاظت کے لئے پانچ سو فٹ اونچی پہاڑی کی چوٹی پر "جے گڑھ" کا قلعہ بنا ہوا ہے یہ قلعہ ۱۷۲۶ء میں تعمیر ہوا۔ محلات آمیر میں "شلا دیوی کا مندر" ہے جو تین سو سال سے زیادہ کا ہے۔ اس کی تعمیر ۱۶۰۴ء میں ہوئی تھی۔ موجودہ دور میں قصبہ آمیر زیادہ بارونق نہیں ہے البتہ "جگت شرومنی" کا مندر جو ۱۶۰۰ء کا تعمیر کردہ ہے قابل دید ہے۔ اس کا تورن جو ہندوستانی طرز کا ہے بہت خوب صورت ہے۔

ایک انگریز سیاح آمیر کے متعلق کہتا ہے:

"مختلف اور دلفریب تاثرات، تیز و تند حسن و قزح کے اعتبار سے میں کسی دوسری جگہ کو آمیر کے مقابلہ میں نہیں پیش کر سکتا۔"

آمیر سے واپسی پر اگر جوہری بازار سے ہوتے ہوئے سانگانیر دروازہ کی طرف جایا جائے تو اس بازار میں جو جے پور کا سب سے بڑا بازار ہے دونوں طرف ایک وضع قطع اور ایک رنگ کی دوکانات اور مکانات نظر آئیں گے۔ پہلے دوکانوں کے سامنے ٹین کے سائبان پڑے ہوئے تھے مگر سترہ اٹھارہ برس قبل پختہ برآمدے تعمیر کئے گئے ہیں۔ جوہری بازار اتنا کشادہ نہیں جتنا تریپولیا بازار ہے مگر جیسا کہ اس کا نام بتاتا ہے یہاں جواہرات اور سونا چاندی کی تجارت ہوتی ہے گو اور سامان بھی بکتا ہے۔

سانگانیر دروازہ سے نکل کر رام نواس باغ آتا ہے۔ یہ یہاں کا سب سے بڑا عام باغ ہے جسے ۱۸۶۸ء میں مہاراجہ سوائی رام سنگھ نے بنایا۔ اس میں چڑیا خانہ بھی ہے اور ایک عجائب خانہ بھی جس کی تعمیر ۱۸۸۳ء میں شروع ہوئی اور جس کا افتتاح ۱۸۸۷ء میں ہوا۔ عجائب خانہ کی عمارت بہت خوشنما ہے اس کے گنبد کی چھتریاں اور جالیدار بالا خانے دور سے نظر آتے ہیں۔ دیواروں پر رنگین تصاویر ہیں اور عجائب خانہ میں بہت اچھا ذخیرہ زمانہ قدیم، زمانہ وسطی اور زمانہ حال کے فنون و دستکاری کا ہے۔

باغ کی سیر کرنے کے بعد اگر مغربی دروازے سے باہر آیا جائے تو سامنے ہی مہارانی گایتری دیوی گرلز پبلک اسکول کی جدید طرز کی عمارت ہے۔ آگے لڑکیوں کا کالج اور سڑک کی دوسری جانب مہاراجہ کالج کی شاندار عمارت اور آگے چل کر مان سنگھ جنرل ہسپتال کی عالیشان عمارت ہے جس کے مشرق میں مان سنگھ میڈیکل کالج ہے۔ یہ تمام عمارتیں زمانہ حال کے فن تعمیر کے نمونے ہیں۔ اسی سڑک پر اور آگے چل کر رام باغ محل ہے۔ اس محل کی تعمیر موجودہ والی جے پور کے جد امجد مہاراجہ سوائی رام سنگھ نے شروع کی اور اس کی تکمیل موجودہ مہاراجہ نے کی۔ اس کا باغ اور دور اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اب یہ ایک اعلیٰ قسم کا ہوٹل ہے۔ رام باغ کے سامنے مشرق میں ایک پہاڑی پر "موتی ڈونگری" کا قلعہ ہے جسے اب "تخت شاہی" کہتے ہیں۔ جب کسی تقریب کے موقع پر رات کو اس قلعہ پر روشنی ہوتی ہے تو بڑا خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ نہار گڑھ کا قلعہ اور موتی ڈونگری کا قلعہ ریل میں سے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

جے پور کے مشرق میں ایک اور دلچسپ مقام ہے یہ گلتہ کی خوبصورت گھاٹی ہے۔ گلتہ ہندوؤں کا متبرک مقام ہے۔ سڑک پیچ و خم کھاتی ہوئی اوپر پہاڑی تک پہنچتی ہے اور یہاں سے شہر کا بڑا عمدہ منظر دکھائی دیتا ہے۔ یہ گھاٹی اوپر سے نیچے تک حوضوں اور مندروں سے پٹی ہے۔ گئو مکھ سے پانی آتا ہے۔ گلتہ کے سورج جی کے مندر کی دیواروں پر خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ آگرہ کی سڑک پر ایک اور گھاٹی ہے اسے پرانا گھاٹ کہتے ہیں۔ یہ گھاٹی تقریباً ایک میل لمبی ہے دونوں طرف خوشنما پہاڑیاں ہیں۔ شمال میں ایک پہاڑی پر "نہار گڑھ" کا قلعہ ہے۔ گھاٹ کا قدرتی منظر بڑا دلفریب ہے۔ پرانے گھاٹ میں بہت سے باغات اور محلات ہیں۔ بعض عمارتیں آمیر میں راجدھانی قائم ہونے سے پہلے کی ہیں۔ سب سے مشہور باغ "راج نواس" اور "ودیادھر" ہیں۔ مہاراجہ رام سنگھ برسات میں اکثر یہاں قیام کرتے تھے۔

شہر جے پور کے جنوب میں آٹھ میل کے فاصلے پر سانگانیر کا مشہور اور تاریخی قصبہ ہے۔ یہاں ایک مشہور جین مندر گیارہویں صدی کا بنا ہوا ہے جو آبو کے مشہور دلواڑہ مندر کی طرز کا ہے۔ سانگانیر کاغذ سازی اور رنگائی کے کام کے لیے مشہور ہے۔

جے پور میں صرف عمارتیں ہی دیکھنے کے قابل نہیں ہیں یہاں کی دستکاری بھی خاص توجہ کے قابل ہے۔ نگینہ سازی میں جے پور ایشیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ سونے پر مینا کاری میں جے پور ہندوستان بھر میں مشہور ہے۔ پیتل کا کام بہت اچھا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کی کھدائی، کندہ کشی، [illegible] کے کھلونے، کپڑے کی رنگائی اور چھپائی اور قالین مشہور ہیں اور پتھر کے کھلونے اور مورتیاں دور دور جاتی ہیں۔

جے پور میں ہر مذہب و ملت کے لوگ بستے ہیں مگر ان میں آپس میں اتفاق و اتحاد ہے اور تاریخ کے ہر دور میں جے پور میں امن و امان کا دور دورہ رہا ہے۔ جے پور اس معاملے میں بھی سربلند ہے۔ یہاں کے شہریوں کا رنگ یا ساخت مختلف ہو سکتی ہے مگر بول چال تقریباً ایک سی ہے اور سبھی جے پور والوں کی ہر ادا سے اخلاص و محبت ٹپکتی ہے۔

الغرض ہر اعتبار سے جے پور سیاحوں کے لیے بے شمار دلچسپیاں رکھتا ہے۔ جے پور ایک دل کش اور رومانی شہر ہے۔

لسانی اقلیتوں کے کمشنر کو ریاستی انجمن آندھرا پردیش کی یادداشت

لسانی اقلیتوں کے اسسٹنٹ کمشنر کے دورۂ حیدرآباد کے دوران ریاستی انجمن کا ایک وفد ان سے ملا اور تفصیلی گفتگو کی۔ انھیں ایک یادداشت بھی پیش کی گئی جو ذیل میں درج ہے۔

۱۔ اردو جماعتوں کا قیام | حکومت نے سرکاری مدارس میں اردو ذریعہ تعلیم کی جماعتیں کھولنے کے لئے ایک کم سے کم تعداد مقرر کر دی ہے۔ لیکن بہت سے مقامات پر جو دور دراز اندرونی حصوں میں واقع ہیں یہ مطلوبہ تعداد حاصل نہیں ہوتی۔ کئی اور مقامات پر مطلوبہ تعداد تو فراہم ہو سکتی ہے لیکن چونکہ یہاں کے لوگ عام طور پر بچوں کو اسکول بھیجنے کے عادی نہیں ہیں، اس لئے خود ان کی طرف سے کوئی مطالبہ نہیں ہوتا۔ ایسے مقامات پر جبری ابتدائی تعلیم کی اسکیم کے تحت جو اسکول کھولے جاتے ہیں ان میں بالعموم صرف تلگو ذریعہ تعلیم اختیار کیا جاتا ہے۔ اور اردو بولنے والے لڑکوں اور لڑکیوں کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا جب تک کہ ان کی طرف سے اس کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ان پسماندہ علاقوں میں ایسے مطالبہ کی مشکل ہی سے توقع کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اندرونی علاقوں میں جب کبھی نئے پرائمری اسکول کھولے جائیں یا پرانے اسکولوں کی توسیع عمل میں آئے تو محکمۂ تعلیمات کے عہدہ دار خود اس بات کے ذمہ دار ہوں کہ تلگو بولنے والے بچوں کے لئے تعلیمی سہولتیں فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اردو بولنے والی اقلیت کے لئے بھی ضروری انتظامات کریں تاکہ وہ اپنے بچوں کو اپنی مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دلا سکیں۔

قصبوں، تعلقوں اور شہروں میں صورتِ حال اس سے کسی قدر مختلف ہے۔ یہاں اردو بولنے والوں کی چھوٹی بڑی آبادیاں موجود ہوتی ہیں اور ان میں عام طور پر اتنا حوصلہ ہوتا ہے کہ اپنے مطالبات پیش کریں اور ان کی تکمیل کے لئے متعلقہ عہدہ داروں یا محکموں سے ربط پیدا کریں۔ لیکن ان مقامات پر بھی اردو بولنے والوں کو اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے بہت کچھ پیروی کرنا پڑتی ہے۔ خاص کر پنچایت سمیتیوں اور ضلع پریشدوں کے قیام کے بعد سے نئی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں اور اردو بولنے والوں کو مقامی حکام اور نظامت تعلیمات کے درمیان بڑی دوڑ دھوپ کرنا پڑتی ہے اور ہر ایک دوسرے پر ذمہ داری ڈالنے کی طرف مائل نظر آتا ہے۔

۲۔ اردو جماعتوں کے لئے اساتذہ کی فراہمی

اردو اسکولوں یا اردو متوازی جماعتوں کے راستے میں ایک اور بڑی دشواری بھی پیش آتی ہے اور وہ ہے اساتذہ کا مسئلہ۔ ایسی متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ اردو جماعتیں تو کھول دی گئیں لیکن ان کے لئے اساتذہ فراہم نہیں کیے گئے۔ دوسری طرف ایسی بھی کئی مثالیں ملی ہیں کہ خود محکمۂ تعلیمات نے اساتذہ کو اردو ذریعہ تعلیم کی اغراض کے لئے ٹریننگ دلوائی بلکہ ٹریننگ کے دوران میں انھیں کچھ وظائف دے کر یہ اقرار نامے بھی لکھوا لئے کہ وہ پانچ سال تک کہیں اور ملازمت نہیں کریں گے۔ لیکن جب ان لوگوں نے کامیابی کے ساتھ ٹریننگ ختم کر لی تو پھر ان کے لئے مہینوں بلکہ بعض صورتوں میں دو دو سال تک جگہوں کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ اقرار ناموں کی وجہ سے چونکہ یہ لوگ کوئی اور نوکری قبول نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ان کی مایوسی کا آسانی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

یوں بھی اردو زبان کے ذریعہ کو پڑھانے والے اساتذہ کی مناسب ٹریننگ کا کوئی اطمینان بخش انتظام موجود نہیں ہے۔

۳۔ نصابی کتابوں کا مسئلہ

اردو بولنے والے طالب علموں کو جس تیسری مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ نصابی کتابوں کی عدم دستیابی ہے۔ تلگو کی نصابی کتابوں کا مسئلہ تو یوں حل ہو گیا کہ خود محکمۂ تعلیمات نے ان کی اشاعت کی ذمہ داری لے لی۔ لیکن اردو کی کتابوں کے لئے ایسا کوئی طریقہ کار نہیں اختیار کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اردو کے ذریعہ تعلیم پانے والے اکثر و بیشتر طلبا گزشتہ کئی سال سے بغیر معیاری کتابوں کی مدد کے تعلیم پا رہے ہیں۔ ان کا انحصار زیادہ تر اساتذہ کے لکھائے ہوئے نوٹس پر ہوتا ہے۔ خانگی ناشر کتابیں پیش کرنے سے اس لئے گریز کرتے ہیں کہ اردو کتابیں چھاپنے میں انھیں کافی منافع کی توقع نہیں ہوتی۔ اس لیے اس دشواری کا سوائے اس کے کوئی علاج نہیں کہ تلگو کی طرح اردو کی نصابی کتابیں چھاپنے کی ذمہ داری بھی محکمۂ تعلیمات پر عائد کی جائے۔

دو شعر

لبِ مادر نے ملّا لوریاں جس میں سنائی تھیں
وہ دن آیا ہے اب اس کو بھی غیروں کی زباں سمجھو

پیام دل مرا ملّا سما پاتا نہیں جس میں
وہ اک محفل کی ہو جائے، مگر میری زباں کیوں ہو

آنند نرائن ملّا

۴۔ حکومت کی پالیسی کو کس طرح روبہ عمل لایا جائے

اردو لسانی اقلیت کے واجبی مطالبات تسلیم کرنے کے بارے میں ریاستی حکومت کی پالیسی اور رجحان کے خلاف ہمیں کوئی خاص شکایت نہیں ہے۔ لیکن اس پالیسی پر عمل کا جہاں تک تعلق ہے ہمیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نیچے کے عہدہ دار خاص کر اندرونی علاقوں میں اردو بولنے والوں کے حقوق کو عموماً نظر انداز کرنے یا جہاں تک ہوسکے انھیں ٹالنے کی طرف مائل رہتے ہیں اور ہم لوگوں کا یہ کام رہ گیا ہے کہ تقریباً ہر روز شکایتیں لے کر ناظم تعلیمات کے پاس بھاگتے پھریں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال کسی طرح بھی اطمینان بخش نہیں ہے اور جس قدر جلد ممکن ہوسکے اس کی اصلاح ضروری ہے۔ ہماری رائے میں اس خرابی کو رفع کرنے کی سب سے زیادہ با اثر تدبیر یہ ہے کہ ناظم تعلیمات کی راست نگرانی میں کم از کم ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل آفیسر کے رتبہ کا ایک ہمہ وقتی عہدہ دار خصوصی مقرر کیا جائے۔ یہ عہدہ دار نہ صرف ان شکایتوں کی چھان بین کرے گا جو ساری ریاست سے روزانہ نظامت تعلیمات میں آتی رہتی ہیں بلکہ وہ اضلاع کا دورہ کرکے حقیقی صورتِ حال سے ہمیشہ باخبر رہے گا اور یہ معلوم کرے گا کہ ریاستی حکومت کے نیک ارادوں پر کہاں تک عمل کیا جا رہا ہے۔ (حبیب الرحمٰن معتمد ریاستی انجمن ترقی اردو ونظم عمومی (حیدرآباد)

انجمن الہ آباد کا جلسہ

۱۷ر اگست کو انجمن ترقی اردو الہ آباد کی مقامی شاخ کا جلسہ سابق میئر بلدیہ جناب ذو الفقار اللہ صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں اردو سے دلچسپی رکھنے والے ۲۰ افراد نے شرکت کی۔

اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے پروفیسر احتشام حسین صاحب نے فرمایا کہ الہ آباد میں انجمن کی مقامی شاخ کو جو مختلف وجوہات سے سرگرم نہیں رہ سکی پھر متحرک اور فعال بنانا چاہیے اور اب جب کہ انجمن کی کل ہند جے پور کانفرنس عنقریب ہونے والی ہے ہم سب کا فرض ہے کہ مقامی طور پر بھی سرگرمی سے انجمن کے کاموں کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں اور سب سے پہلے سال رواں کی فیس الحاق روانہ کرکے الحاق کی تجدید کرالیں۔

شرکاء جلسہ نے اس کی تائید کی اور طے پایا کہ فوراً فیس الحاق روانہ کر دی جائے۔ نیز اس کے علاوہ ایک سب کمیٹی بھی تشکیل دی گئی جو مقامی شاخ کو سرگرم بنانے کا پروگرام تیار کرے گی۔ جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ جناب مسیح الزماں صاحب لکچرر الہ آباد یونیورسٹی (سکریٹری مقامی)
۲۔ جناب فرید بیگ صاحب پرنسپل مسلم انڈین ہائی اسکول
۳۔ ابو النعیم وحید صاحب منیجر ادارہ انیس اردو (۴) جناب صادق حسین صاحب پرنسپل شیروانی انٹر کالج (۵) برکت اللہ چوہان صاحب (۶) بیگم فردوس فاطمہ لکچرر الہ آباد یونیورسٹی (۷) پی۔ کے ورما صاحب پرنسپل کے پی اسکول۔　　(سکریٹری)

پنڈال کمیٹی کل ہند اردو کانفرنس جے پور کے صدر پنڈت رتن نرائن کول

جے پور میں ہونے والی کل ہند اردو کانفرنس تاریخ ہائے ۲۰ ر اکتوبر سنہ ۷۲ء کی پنڈال کمیٹی کے صدر نوابزادہ مرزا افضال اللہ احمد خاں صاحب آف لوہارو تھے۔ مگر موصوف نے معذرت ظاہر کی ہے کہ وہ باہر تشریف لیجا رہے ہیں۔ لہٰذا اب اس کمیٹی کے صدر پنڈت رتن نرائن کول صاحب سکریٹری ریڈ کراس سوسائٹی راجستھان مقرر ہوئے ہیں۔　　(نامہ نگار)

مولانا آزاد کالج فنڈ کے لئے عظیم الشان مشاعرہ

بمبئی، ۲ ر ستمبر کل شب کو برلا ہال میں زیر صدارت آنریبل شری لالہ شام ناتھ ایک نہایت شاندار مشاعرہ مولانا آزاد کالج کے امدادی فنڈ کے لئے منعقد ہوا جس کا افتتاح مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی نایک نے کیا۔ مشاعرہ کے بانی ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر شہری ترقیات بحیثیت مہمان خصوصی کے رونق افروز تھے۔ ان سب نے مشاعرہ کے مقصد کو سراہا۔ اور مولانا آزاد مرحوم کی ملکی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ ناظم مشاعرہ کے فرائض علی سردار جعفری نے انجام دئے سب سے پہلے خود انھوں نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ اس کے بعد منور رانا مجنوں، عبد اللہ ناصر، شمیم جے پوری، مینا قاضی، مظفر شاہ جہاں پوری، سرشار سیلانی، میر ہاشم صاحب، بیکل اتساہی، محشر امروہوی، سکندر علی وجد، خمار بارہ بنکوی، شفق فاطمہ، ساحر لدھیانوی، گلزار دہلوی، سرتاج رحمانی، مجروح سلطانپوری، فنا نظامی، قاضی سلیم، رنگ بادی، ابھی رصدیقی، وحید اختر، شعری بھوپالی، عالم فتح پوری، تبسم دہلوی، شگفتہ رفعت سروش، بشر نواز، اور صبا افغانی صاحب نے اپنا اپنا کلام سنایا۔　　(ہندوستان بمبئی)

انجمن ترقی اردو کان پور کا مطالبہ

کان پور ۸ ر ستمبر۔ انجمن ترقی اردو کانپور کا ایک جلسہ زیر صدارت جناب سری ہری پور نانند صاحب ورما ۴ ر ستمبر کو بہاری نواس میں منعقد ہوا۔

صدر صاحب کی تجویز پر حاضرین نے دو منٹ خاموش کھڑے ہو کر جناب سید سخاوت حسین صاحب کی موت پر اظہار افسوس کیا۔

۲۔ طے پایا کہ انجمن کی ممبر سازی جلد از جلد مکمل کر لی جائے تاکہ آخر تک عہدیداروں کا انتخاب کیا جائے۔

۳۔ طے پایا کہ صوبہ کی مجلس عاملہ اور جے پور اجلاس میں کانپور سے کم از کم دو نمائندے بھیجے جائیں۔　　(قومی آواز لکھنؤ)

تبصرے

عبد الحی

دورِ حیات، بمبئی (آزادی نمبر)

مرتبہ: قیصر مظہر حسین

ملنے کا پتہ: اپسس پبلشنگ، ابراہیم رحمت اللہ روڈ بمبئی، قیمت ۲۰ روپے

دورِ حیات پچھلے چند سال سے بمبئی سے ہر ہفتہ پابندی کے ساتھ شایع ہو رہا ہے۔ اس پرچے کی خوش قسمتی ہے کہ اسے شروع ہی سے ملک کے ممتاز اہل قلم کا تعاون حاصل رہا ہے اور اس کے تقریباً ہر شمارے میں معیاری مضامین اور نظمیں شایع ہوتی ہیں۔ اس تھوڑی سی عمر میں اس کے کئی خصوصی نمبر بھی شایع ہو چکے ہیں جو کافی مقبول ہوئے۔ زیرِ نظر شمارہ بھی ایک خصوصی اشاعت ہے جو آزادی کی سترویں سالگرہ پر شایع ہوا ہے۔

سابقہ خاص نمبروں کی طرح یہ شمارہ بھی معیار کی اسی قدروں کا حامل ہے۔ اس شمارے میں لکھنے والوں کی فہرست میں آصف فیضی، کرشن چندر، ساحر لدھیانوی، ظ انصاری جیسے اہم نام دکھائی دیتے ہیں۔

مقالات کے حصے میں آصف فیضی کا مضمون "ہندوستان میں قومی وحدت" ایک معرکۃ آرا مضمون ہے۔ فیضی صاحب ملک کے مشہور مفکر اور اہل قلم ہیں اور اس مضمون میں انھوں نے ایک نہایت اہم موضوع پر صاف ذہن اور بے تعصبی سے لکھا ہے۔ یہ مضمون اس قابل ہے کہ اس کو ہر ہندوستانی غور سے پڑھے۔ افسوس کہ اس مضمون کا صرف ایک ہی حصہ شایع ہوا ہے حالانکہ مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اس مضمون کو ایک ہی اشاعت میں شایع ہونا چاہیے تھا۔ پنڈت نہرو سب سے پہلے ۱۹۲۷ء میں روس گئے، پھر آزادی کے بعد مختلف تقریبات سے وہ کئی بار سوویت یونین گئے۔ ظ انصاری نے اپنے مضمون "جواہر لال سوویت یونین میں" میں پنڈت نہرو کی ان ہی روسی یاتراؤں کا حال اپنے مخصوص انداز میں قلمبند کیا ہے اور بتایا ہے کہ ہندوستان اور سوویت یونین میں محبت اور یگانگت کا جو مضبوط رشتہ قائم ہے وہ جواہر لال ہی کی دین ہے۔

افسانوں کے حصے میں کرشن چندر، عابدہ تبسم اور مانک ٹالا کے افسانے شامل ہیں۔ ان افسانوں کا موضوع کم و بیش ایک ہی ہے لیکن ہر افسانے کا اپنا ایک منفرد رنگ اور انداز ہے۔ تینوں افسانے نہایت بلند پایہ ہیں اور جدید افسانے کی روایت اور مزاج کے پوری طرح آئینہ دار ہیں۔

ساحر نے نہرو کے عظیم کام اور ان کے پیغام کو نہایت موثر انداز میں پیش کیا ہے۔

تہنیت نامے اور حسنی صدیقی کے انشائیے جیلانی بانو، یوسف ناظم اور انور معظم کے ہلکے پھلکے اور لطیف مضامین بھی قابلِ ذکر ہیں۔

غزلیں دو ہی ہیں، ایک خلیل الرحمن اعظمی کی اور دوسری شاہد اکبر پوری کی۔

قیصر مظہر حسین نے اس نمبر کی ترتیب میں بڑی محنت کی ہے اور اسے ہر اعتبار سے دلکش بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔

روداد

مرتبہ: مولوی احترام الدین احمد شاغل

ملنے کا پتہ: دفتر انجمن ترقی اردو راجستھان، تسلیم منزل، اجے پور راجستھان۔

قیمت: فی جلد چار روپے۔

ریاستی انجمن ترقی اردو راجستھان کے زیرِ اہتمام گذشتہ نومبر میں ایک کل راجستھان اردو سیمپوزیم منعقد ہوا تھا۔ زیرِ نظر روداد اس سیمپوزیم کی کارروائی کی مفصل رپورٹ ہی نہیں بلکہ اس میں اُن تمام تقاریر کو جو اس موقع پر مختلف حضرات نے فرمائیں اور وہ تمام منظومات جو سیمپوزیم کے مشاعرے میں پڑھی گئیں مولانا احترام الدین احمد صاحب شاغل نے اس روداد میں یکجا کر دیا ہے۔ مولانا شاغل کا نام اردو کے عاشقوں میں ممتاز ہے۔ باوجود کبر سنی کے وہ اردو کی دامے، قدمے، سخنے ہر طرح خدمت کر رہے ہیں جب سے وہ انجمن کی راجستھان کی ریاستی شاخ کے معتمد ہوئے ہیں راجستھان میں اردو کی تحریک خاصی پھیل گئی ہے اور اس صوبے میں نمایاں کام ہوا ہے۔ موصوف نہ صرف اردو کے ایک سرگرم کارکن ہیں بلکہ ایک بلند پایہ اہل قلم بھی۔ ان کی دو تصانیف تذکرہ شعرائے جے پور اور صحیفہ خوشنویسان مقبول خاص و عام ہو چکی ہیں۔

زیرِ نظر روداد کا آغاز مرتب کی "تمہید" سے ہوتا ہے جس میں انھوں نے راجستھان میں اردو تحریک اور سیمپوزیم کے انعقاد کا پس منظر اور پیش منظر مختصراً بیان کیا ہے اور اس کی کارروائی پر بھی روشنی ڈالی ہے اس کے بعد جناب الطاف احمد صاحب خیری کا مضمون "دلکش جے پور ہے" پھر دو نظمیں "فنکار کے وعدے" اور "اردو کیا ہے" ہیں۔

تقاریر کے حصے میں پنڈت سندر لال، جگار حسن راٹھے، ڈاکٹر صدر راجستھان ساہتیہ اکاڈمی کی تقریریں ہیں۔ اس کے بعد مقالات کا حصہ آتا ہے۔ اس حصے میں "ملک کی آزادی اور اردو ادیبوں کا حصہ" کے عنوان پر ابو الفیض عثمانی، پروفیسر محمد علی زیدی، محمد عمر سلیم، مالک عزیزی اور خود مرتب روداد کے مقالوں کے علاوہ ایک مزاحیہ خاکہ اور چند اور مقالے شامل ہیں۔ ان مقالوں میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ اردو کے ادیبوں

نے جنگ آزادی میں اور ملک میں قومی یک جہتی پیدا کرنے میں کتنا
اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کے بعد اسی موضوع پر پڑھی گئی نظموں
کا انتخاب اور پھر طرحی مشاعرے کی غزلیات کا انتخاب اس روداد
میں شامل ہے۔ یہ روداد عام رودادوں کی طرح روکھی پھیکی اور
خشک قسم کی "رپورٹ" نہیں ہے بلکہ مضامین، تقریروں، نظموں
اور غزلوں کا رنگا رنگ گلدستہ ہے۔ اور اس کو پڑھتے وقت ایسا
معلوم ہوتا ہے جیسے کسی اعلیٰ درجے کے ادبی پرچے کا خاص نمبر پڑھ
رہے ہیں۔

انجمن صوبہ دلّی کا مشاعرہ

۲۹ اگست کی شام کو صوبائی انجمن ترقی اردو دہلی کی جانب سے
یوم آزادی کے سلسلے کا ایک مشاعرہ جناب میر مشتاق احمد صاحب
صدر دلی پردیش کانگریس کی صدارت میں منعقد ہوا۔ صدر محترم
نے اپنی صدارتی تقریر میں سورگیہ وزیر اعظم جواہر لال نہرو کو خراج
عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ پنڈت جی ادب کے میدان
میں بھی جولانیاں دکھاتے تھے۔ ان کے نزدیک کوئی ایک زبان
مخصوص نہیں تھی اردو سے ان کا لگاؤ جتنا تھا اس سے اردو
والے واقف ہیں۔ اردو کو انھوں نے مردم شماری کے وقت
اپنی مادری زبان لکھوایا تھا اور اردو کے حقوق کے لئے ہمیشہ
انھوں نے آواز بلند کی۔ اردو کی حیثیت پورے ہندوستان
میں مخصوص ہے اس کے خلاف گھنگھور گھٹائیں چھائی ہیں اور
مخالف اسے دبانا چاہتے ہیں لیکن اردو والوں کا یہ فرض ہے
کہ عزم و استقلال کے ساتھ حالات کا مقابلہ کریں اور انجمن ترقی
اردو کو اپنے اپنے اقدامے اپنا تعاون پیش کریں پھر یقیناً اردو محفوظ
رہ سکے گی صرف باتیں کرتے رہنے سے کام نہ چلے گا۔ پندرہ سولہ
سال پہلے ملک کا جو ماحول تھا اب وہ بالکل نہیں، مجھے پورا یقین
ہے کہ ہم جتنا اردو کو عوامی رنگ دیں گے وہ مقبول ہوگی۔ کوئی
زبان کسی کی مخالفت کی وجہ سے ختم نہیں ہوتی جس زبان کو بھی
عوام اپنا سمجھیں گے وہ یقیناً باقی رہے گی۔

میر صاحب نے لسانی تعصبات کی مذمت کی اور کہا
شاعروں اور ادیبوں کو تعصب سے دور رہنا چاہیے اردو
زبان کسی ایک مذہب یا فرقے کی زبان نہیں۔ ہندوستان
کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں اس کے سمجھنے والے موجود نہ ہوں،
جنوبی ہند نے اردو کی عظمت کو چار چاند لگائے ہیں، اردو کے
خادموں کو چاہیے کہ اس پیاری زبان کو زندہ رکھنے کے لئے اپنی
ہمت کو قائم رکھیں اور زندگی کے نشیب و فراز کو سمجھتے ہوئے
آگے قدم بڑھائیں صدارتی تقریر کے بعد جناب تلوک چند محروم
کی نظم سے مشاعرے کا آغاز ہوا اور پھر طرحی مشاعرہ ہوا۔

(جنرل سکریٹری)

ریاستی انجمن بہار کا جلسہ

۳۰ اگست بروز اتوار دو بجے دن میں انجمن اسلامیہ ہال
پٹنہ میں کونسل بہار ریاستی انجمن ترقی اردو اور بہار اسٹیٹ ابتدائی
تعلیمی کونسل کا جلسہ زیر صدارت جناب سید جعفر امام وزیر قانون
بہار منعقد ہوا جس میں جناب محمد ایوب ایڈووکیٹ مرحوم کی وفات
سے جو صدر کی جگہ خالی ہوگئی تھی اسے پر کرنے کے لیے صدر
کا متفقہ طور پر انتخاب عمل میں آیا۔ جناب نثار احمد خاں
ایڈووکیٹ رجسٹرار پٹنہ یونیورسٹی متفقہ طور پر صدر
منتخب ہوئے۔

کونسل نے جناب ایوب صاحب کی وفات پر
تعزیتی تجویز منظور کی اور ان کی مغفرت کے لئے دعا کی۔

دوسری تعزیتی تجویز پنڈت جواہر لال نہرو کی وفات
پر منظور ہوئی جسے ممبران نے دو منٹ خاموشی کے ساتھ کھڑے
ہو کر منظور کیا۔

ایک تیسری تجویز میں مگدھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر
اور وزیر تعلیم اور وزیر اعلیٰ سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ یونیورسٹی
نے ۱۹۶۵ سے غیر لسانی پرچوں کے امتحانات میں سوالات
کا جواب ہندی میں لکھنا لازمی قرار دینے کا جو فیصلہ کیا ہے
اسے جلد واپس لیا جائے۔ اس سلسلے میں مذکورہ بالا ذمہ داروں
سے انجمن کا وفد جلد ہی ملاقات کرے گا اور اگر مذکورہ بالا ذمہ داروں
نے توجہ نہ دی تو پھر عوام کے سامنے مسئلے کو پیش کیا جائے گا۔

(سکریٹری)

انجمن کی کوشش سے ٹانڈہ گرلس اسکول میں اردو

ٹانڈہ ۴ ستمبر مقامی انجمن ترقی اردو کے ایک نمائندے نے
بتایا ہے کہ انجمن کی کوششوں کے نتیجے میں میونسپل گرلس جونیر
ہائی اسکول میں اردو کی پڑھائی کا معقول انتظام ہو گیا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلے میں انجمن کے ایک وفد
نے سپرنٹنڈنٹ تعلیم سے ملاقات کی اور انھیں اس کی
طرف توجہ دلائی۔ انھوں نے یقین دلایا کہ سہ لسانی فارمولا کے
تحت ہم اردو کی پڑھائی کا معقول انتظام کر رہے ہیں چنانچہ میونسپل
گرلس جونیر ہائی اسکول میں اردو کی پڑھائی کے لئے ایک معلمہ کا تقرر ہو گیا ہے۔

(قومی آواز لکھنؤ)

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پبلشر ذکیہ حسن، پرنٹر ضیاء الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا